رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ معلّم

جناب نعیم صدیقی صاحب ڈائرکٹر ادارۂ مطالعہ وتحقیق

(۲)

اس سلسلے میں یہ وضاحت شاید مفید ہو گی کہ تاریخ کے مطالعہ میں اسلامی حکمتِ علم جس چیز پر ہماری توجہات کو مرتکز کرتی ہے وہ "سنۃ اللہ"[۲۲] اور "امر اللہ"[۲۳] ہے۔ اس سنۃ اللہ اور امر اللہ کے زیر عنوان آنے والے قوانین ونوامیس میں سے جو زیادہ جامع بدیہی اور اساسی ہیں ان کی تصریح مثالوں کے ساتھ قرآن نے کر دی ہے۔ تاریخ کا صحیح مطالعہ کرکے مزید شواہد دریافت کیے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح مطالعہ کائنات کے سلسلے میں قرآن کی ایک اصطلاح بہت اہم ہے اور وہ ہے "آیت"، جس طرح آیاتِ قرآن علمِ حقیقت اور علمِ حوادث سے بہرہ مند ہونے کے لیے ہماری رہنما ہیں، اسی طرح مادّی کائنات میں پائے جانے والے تمام مظاہر تلاشِ حقیقت کے سفر میں ہمارے لیے نشاناتِ راہ ہیں[۲۴] اور ان پر بھی آیات کا اطلاق ہوتا ہے۔ کائنات کی "آیات" سے ایک فلسفی اور ایک سائنس دان یکساں استفادہ کرسکتے ہیں بلکہ ان آیات میں جمال کا جو پہلو پایا جاتا ہے اس سے ادیب، شاعر، مصوّر، اور جملہ فنونِ لطیفہ کے وابستگان بہرہ اندوز ہوسکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔

یہاں اس اشارے کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کائنات کی آیات اور تاریخ میں کام کرنے والے نوامیس الہامی تعلیم کی آیات سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اور یہی ہم آہنگی الہامی تعلیم کی صحت وصداقت کے لیے ایک مؤثر عقلی دلیل قرار پاتی ہے۔

اس الہامی ذریعہ علم سے ہمارے حسّی وقیاسی ذرائع حصولِ علم کی کوتاہی کی تلافی ہوتی ہے اور ہمیں

---

۲۲ ملاحظہ ہو آیت: ۱۷-۷۷

۲۳ ملاحظہ ہوں آیات: ۸-۴۴، ۱۱-۱۹، ۱-۱۹، ۳۳-۳۸

۲۴ ملاحظہ ہوں آیات: ۱۲-۱۰۵، ۱۹-۱۲و۱۳، ۱۹-۹۷-۱۲-۷۰، ۳-۱۳، ۱۰-۹۲

ایسے یقینیات حاصل ہو جاتے ہیں جن پر انفرادی کردار اور اجتماعی تمدن کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ یہ الہامی یقینیات نظامِ تمدن میں اسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، جیسے ریاضی میں دو اور دو چار کا فارمولا ہے۔

نبوت جہاں ہمیں بعض تفصیلی احکام و قوانین اور حدود و شعائر کا سرمایہ فراہم کرتی ہے۔ وہاں اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ وہ ہمیں "العلم" (THE KNOWLEDGE) یا اساسی علم (THE BASIC KNOWLEDGE) بہم پہنچاتی ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں مرکزی حقیقت عظمیٰ (THE GREAT CENTRAL REALITY) کا شعور ملتا ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں رہنما اصولِ حیات (GUIDING PRINCIPLES) اور بنیادی صداقتوں (FUNDAMENTAL TRUTHS)، نیز مستقل اخلاقی قدروں (PERMANANT MORAL VALUES) کی دولتِ نایاب ہاتھ آتی ہے۔ اس قسم کے اٹل یقینیات کو قرآن "قولِ ثابت"[۲۵] قرار دیتا ہے جو کردار اور تہذیب کی اساس کے طور پر اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ ان اساسی حقائق و قوانین کے چوکھٹے میں دیگر تفصیلی ضوابط ترتیب پاتے ہیں۔

یہی وہ علم ہے جسے ورثۃ الانبیاء قرار دیا گیا اور یہی وہ العلم ہے جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ اس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے[۲۶]۔ ورنہ اگر یہاں علم سے مراد جملہ اقسام کے علوم لیے جائیں تو پھر ہر مسلمان پر لازم ہوگا کہ وہ روئی دھننے اور چمڑے کی دباغت کرنے سے لے کر انجینیری اور ڈاکٹری اور جوہری توانائی اور خلائی پرواز تک کے سارے علوم حاصل کرے اور نہ کر سکے تو ترکِ فرض کے جرم کی سزا کا مستحق قرار پائے۔ فی الحقیقت سارے کا سارا قرآن اسی "العلم" کا آئینہ دار ہے اور نبی اکرم نے بحیثیت معلمِ کتاب و حکمت اصل زور اسی العلم کو پھیلانے پر صرف کیا ہے۔ اس کی مختصر جامع تعریف حضورؐ نے ان الفاظ میں کی ہے کہ "وہ علم جس کے ذریعے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے" (روایت ابوہریرہ۔ مشکوٰۃ کتاب العلم)

علم کا آخری مقصد کیا ہے؟ قرآنی اصطلاحات کے مطابق اس سوال کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ علمِ حق کے ذریعے عملِ صالح کا حصول اعمالِ صالحہ سے حیاتِ طیبہ کی تشکیل، اور حیاتِ طیبہ سے نفسِ مطمئنہ کے مقام تک رسائی ——— علم کا مقصود ہے۔

---

۲۵ ملاحظہ ہو آیت: یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ (۱۴ - ۲۷)

۲۶ ملاحظہ ہو حدیث: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

اگر ذرا اور اجمال سے کام لیا جائے کہنا یہ چاہیے کہ علم کا کام یہ ہے کہ وہ غلط اور صحیح، حق اور باطل، مفید اور مضر، نیکی اور بدی کو الگ الگ چھانٹ کر ہمارے سامنے رکھ دے۔ تعلیمِ نبوت کا منتہا رشد وغی میں امتیاز پیدا کر دیتا ہے[27]۔ نبی کی تعلیم کا فرقان ہونا لازم ہے[28]۔

اسلامی حکمتِ علم کی پوری تفاصیل کو سمیٹنے کے لیے ایک مستقل مقالہ چاہیے یہاں محض بیان کردہ چند نکات پر اکتفا کیے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ یہ غلط فہمی رفع کر دینا ضروری ہے کہ العلم کی مذکرہ اہمیت کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے طبعی اور عقلی علوم سے توجہ ہٹائی جائے جن کی مدد کے بغیر انسانی زندگی کی بہت سی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔

قابلِ لحاظ بات صرف یہ ہے کہ "ہمیں العلم" کی اساس پر تمام علوم کو مدوّن کرنا چاہیے اور اپنے نظامِ تعلیم اور نصابات کے لیے اسی کو محور بنانا چاہیے۔ یہ ہے تعلیمی انقلاب کا نقطۂ آغاز جس کو کارپردازانِ تعلیم نے اب تک نہیں سمجھا اور ہم ایک ناسازگار اور نامطلوب نظامِ تعلیم کے زندان میں محبوس ہیں۔

حضورؐ ایک تعلیمی تحریک کے سربراہ تھے!

جب کبھی کوئی نبی اٹھتا ہے تو وہ ایک ہمہ گیر تہذیبی انقلاب اور ایک تعلیمی تحریک کا علمبردار بھی ہوتا ہے۔ حضورؐ بھی زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی لانے کے لیے دینِ حق کو لے کر مبعوث ہوتے اور عقائد و افکار سے لے کر احکام و قوانین تک ہر چیز کی تعمیرِ نو کا کام آپ کے سامنے تھا۔ اتنا بڑا کام انجام دینے کے لیے حضورؐ معلّم الناس ہی نہیں تھے، ایک وسیع تعلیمی تحریک کے سربراہ بھی تھے۔

اسلام جس طرح دینِ ہدایت ہے، اسی طرح بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دینِ علم اور دینِ تعلیم و تعلّم بھی ہے جس دین کا آغاز حکمِ "اِقْرَاْ" سے ہوتا ہو[29]۔ جس کے اصل مخاطب اولوالالباب ہوں[30] جس کے اسرار و رموز کو پا کر ایمان کے معیارِ کمال تک پہنچنے والے الراسخون فی العلم ہوں[31] جو براہین پیش کر کے مخالفین سے بیّنات و براہین طلب کرتا ہو[32] جو تدبر و تفکر کا مطالبہ کرتا ہو، اور جو سمع، بصر اور فواد سے کام نہ لینے

---

[27] ملاحظہ ہو آیت: قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (۲ : ۲۵۶) [28] هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ (۲ : ۱۸۵) [29] اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (۹۶ : ۱) [30] لِیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸-۲۹) [31] وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۳ : ۷)

[32] ملاحظہ ہو آیت هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۲۸-۷۵)

والوں کو مویشیوں سے بدتر قرار دیتا ہے[۳۳]۔ جو کتاب الٰہی کا پشتارہ کندھوں پر لاد کر اس میں غور و فکر نہ کرنے والوں کو ایسے گدھے سے تشبیہ دیتا ہے جس پر علم کا دفتر لدا ہو[۳۴]۔ اس کے بارے میں یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ وہ انسانیت کے لیے ایک تعلیمی تحریک کی حیثیت رکھتا ہے۔

دین حق کی تعلیمی تحریک کے سربراہ کی حیثیت سے حضورؐ کے لیے پورا معاشرہ کلاس روم تھا۔ اور آپ ذہنی و فکری لحاظ سے بھی تعلیم دینے والے تھے۔ اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے بھی فریضۂ تعمیر ادا کرنے والے تھے، سیاست و اقتصاد کے دائروں میں بھی صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرنے والے تھے اور مخالف و مزاحم تخریبی قوتوں کے مقابلے میں جنگاہ کے اندر بھی کمان کرنے والے تھے۔ حضورؐ نے عملاً تعلیمی تحریک چلا کر توسیع علم کے لیے جو کام کیا اس کا بڑا نمایاں نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں تک حضورؐ کا پیغام پہنچا ان کے اندر طلب علم کی اتھاہ پیاس پیدا ہو گئی اور جوں جوں دین حق پھیلتا گیا ہر قسم کی علمی ترقیات کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔

نبی اکرمؐ کا معلمانہ منصب اور حکمتِ تعلیم

قرآن میں ایک سے زیادہ مرتبہ حضورؐ کو معلّم کتاب و حکمت اور مزکّی قرار دیا گیا ہے[۳۵]۔ حضورؐ خود اپنے آپ کو معلّم قرار دیتے ہیں[۳۶]۔ مسجد نبوی میں بیک وقت آپؐ ایک طرف حلقۂ ذکر دیکھتے ہیں اور دوسری طرف مجلس تعلیم و تعلّم، تو دونوں کا استحسان کرتے ہوئے مجلسِ تعلیم کو ترجیح دے کر اس میں جا شریک ہوتے ہیں[۳۷]۔ حضورؐ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں تعلیم دینے کو شب زندہ دارانہ عبادت سے افضل قرار دیا[۳۸]۔

آئیے ذرا ایک نظر اس تعلیمی حکمت پر بھی ڈالتے چلیں جس سے حضورؐ نے بہ حیثیت معلّم کام لیا اور بعد کے معلّمین کے لیے واضح نشاناتِ راہ چھوڑ گئے۔ حضورؐ کی حکمتِ تعلیم کے نکات کو نمبروار پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) قرآن میں حضورؐ کے لیے معلمانہ ذمہ داری کو بلاغِ مبین تک محدود کر دیا گیا ہے[۳۹]، یعنی وضاحت سے بات پہنچا دینا اور تفہیم کا حق ادا کر دینا ہر سچے معلّم کی معلّمانہ ذمہ داری ہے۔

۳۳۔ ملاحظہ ہو آیت: هُمْ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (۷-۱۷۹)

۳۴۔ ملاحظہ ہو آیت: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (۶۲-۵)

۳۵۔ ملاحظہ ہوں آیات، ۶۲-۲، ۲-۲۰۲۔ ۱۲، ۳-۱۶۴۔ ۳۶۔ مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عبداللہ بن عمرؓ ۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت ابن عباس۔

۳۹۔ ملاحظہ ہو آیت: فعلیک البلاغ (۳-۲۰، ۱۳-۴۰، و دیگر آیات)

اوپر کے اصول کا دوسرا پہلو یہ کہ حضورؐ پر واضح کیا گیا کہ آپ مخاطب لوگوں کے لیے چوبدار یا جبار نہیں بنائے گئے ہیں[20]۔ یعنی معلمانہ کام کی روح محبت و خیر خواہی ہے۔ اس فریضہ کو انجام دینے میں جبر و تشدد کی اسپرٹ راس نہیں بیٹھتی۔

(۳) حضورؐ کو جو حکمت تعلیم سکھائی گئی اس کا تقاضا یہ ہے کہ معلم نرم خو ہو۔ تند خو نہ ہو[21]، بصورتِ دیگر یا تو زیر تعلیم جماعت تتر بتر ہو جائے گی یا آج کل کے نظام میں اگر اسے کلاس روم میں بیٹھنے کا پابند کیا گیا تو کم سے کم طلبہ کے دل و دماغ ضرور کلاس روم سے فرار کر جائیں گے۔ حضورؐ نے خود اپنے رفقائے کار کو ہدایات دیں کہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، مشکلات نہ پیدا کرو، ان کو بشارت دینے والے بنو، نفرت دلانے والے نہ بنو[22]۔

(۴) حضورؐ کے سامنے اپنا تعلیمی نصب العین پوری طرح واضح تھا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند ایک ایسی مرکزی جماعت کا تیار کرنا جو ساری انسانیت کے سامنے خدا پرستانہ نظامِ حیات کی صداقت کی گواہی دے سکے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس نظامِ حیات کو چلانے کے لیے ایمان و کردار سے آراستہ لیڈر، افسر، کارکن اور شہری تیار کیے جائیں۔

(۵) حضورؐ کی حکمتِ تعلیم ہمیں معلمانہ کام کا مشنری تصور دلاتی ہے۔ ہر نبی نے اپنی مخاطب قوم کو تعلیمِ حق دیتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ میں تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا[23]۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ یہی اصول حضورؐ کا بھی تھا۔ اور آپ نے اپنے تیار کردہ معلمین کو اس سے منع فرمایا کہ وہ شاگردوں اور طلبہ سے کوئی حق الخدمت وصول کریں۔

اس اصول سے یہ بات لازمی نتیجے کے طور پر اخذ ہوتی ہے کہ معلم کا کام کسی بڑھئی یا ترکھان یا آہنگر کی طرح

---

[20] ملاحظہ ہوں آیات: وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (۵۰-۴۵) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸-۲۲)

[21] ملاحظہ ہو آیت: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ (۳-۱۵۹)۔ نیز ملاحظہ ہو: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (۱۵-۸۸)

[22] حدیث: یسّروا ولا تعسّروا، بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا (ریاض الصالحین۔ باب العلم والاناۃ والرفق بروایت حضرت انس) نیز حدیث: انما بعثتم میسّرین ولم تبعثوا معسّرین۔ بخاری روایت ابی ہریرہ۔

[23] ملاحظہ ہو آیت: لَا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا (۳۶-۲۱)

کا پیشہ ورانہ کام نہیں ہے کہ جس نے پیسے دیئے اس کے حسبِ منشا کام کر دیا۔ بلکہ یہ مشنری سپرٹ سے کرنے کا کام ہے اور اسے وہی انجام دے سکتا ہے جو اس چیز کا خود قائل ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو جس کی تعلیم دینے وہ چلا ہے۔ اسلامی نظامِ تعلیم میں مخالفینِ اسلام یا منافقین کے لیے کام کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے چنانچہ حضورؐ کا ایک ارشاد ہے کہ منافق میں تفقہ فی الدین کی صفت نہیں پیدا ہو سکتی[۴۴]

تعلیم کے اس مشنری تصور کے ساتھ جب بڑے پیمانے پر تعلیمی ادارات قائم کر کے کثیر التعداد معلمین سے ان کا پورا وقت لیا جاتا ہو تو اس صورت میں یہ ذمہ داری ریاست کی ہے کہ وہ ان کی کفالت کا انتظام کرے۔

(۶) تعلیم کے مشنری کام کو سرانجام دینے کے لیے اوپر کے اشارات کے مطابق معلم میں جہاں اپنے مخاطبین کے لیے محبت و خیر خواہی اور نرم خوئی کے جذبات ہونے چاہییں وہاں حضورؐ کے مسلک کا تقاضا یہ ہے کہ خوش آئند طرزِ تکلم اختیار کیا جائے[۴۵] اور بحث و اختلاف کا موقع پیش آئے تو جدالِ احسن سے کام لیا جائے یعنی خوشگوار انداز میں تبادلۂ خیالات کیا جائے[۴۶]

(۷) حضورؐ کی حکمتِ تعلیم کا ایک تقاضا یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی عقلی و ذہنی استعداد کے مطابق خطاب کیا جائے۔ اس میں عمر کو بھی ملحوظ رکھنا ہو گا، شہری اور دیہاتی کے فرق پر بھی نگاہ رکھنی ہو گی، مبتدی اور منتہی کے مراتب کا خیال بھی کرنا ہو گا۔

(۸) حضورؐ نے تعلیم و تربیت میں تدریج کے اصول کو اختیار کیا۔ ایک حدیث میں قبائل میں جا کر تعلیم و تبلیغ کا کام کرنے والوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ چھوٹتے ہی دین کے سارے تقاضے لوگوں کے سامنے رکھ کر انہیں دہلا نہ دیا جائے بلکہ پہلے انہیں اساسی کلمہ کا قائل بنایا جائے، پھر اگر وہ توحید و رسالت کو مان لیں تو ان کو نماز کی دعوت دی جائے پھر اس کے بعد روزہ، زکوٰۃ اور حج کی دعوت دی جائے[۴۷]۔

(۹) حضورؐ کی حکمتِ تعلیم میں ایک اصولی بات یہ ملتی ہے کہ آپ مخاطب جماعت کی اکتاہٹ

---

[۴۴] مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت ابی ہریرہؓ۔

[۴۵] ملاحظہ ہو آیت: قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۲: ۸۳)

[۴۶] ملاحظہ ہو آیت: وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۲۹-۴۶)

[۴۷] حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ روایت ابن عباس)

کا پورا خیال رکھتے تھے کہ تعلیم و خطاب کا سلسلہ اتنا بوجھل نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگ اکتانے لگیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کی اس خوبی کو بیان کیا ہے کہ آپ مناسب وقفوں پر خطاب فرماتے تھے۔[۴۸]

حضورؐ کے اس اصول کی ایک شہادت حضرت ابن عباس کی طرف سے حضرت عکرمہ نے ہم تک پہنچائی ہے کہ ابن عباس نے حضرت کے مسلک کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں یہ تلقین کی کہ لوگوں کو ہفتے میں ایک بار جمعہ کے دن تعلیم دو۔ اگر زیادہ کی ضرورت ہو تو دو بار یا حد سے حد تین بار۔[۴۹]

اس اصول کی بنا پر حضورؐ ہمیشہ مختصر تعلیمی خطاب فرماتے تھے جو تیر بہدف ہوتے تھے۔ حضورؐ کا سب سے طویل خطبہ حجۃ الوداع کا خطبہ ہے۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ بے حد مختصر ہے۔

پھر ایک خاص بات یہ سامنے آتی ہے کہ احادیث میں مختلف افراد اور مجالس سے حضورؐ کی جن تعلیمی گفتگوؤں کا ریکارڈ ملتا ہے ان میں سے بعض میں ایک بات، بعض میں دو باتیں اور بعض میں چار یا پانچ باتیں ملتی ہیں کوئی مثال ایسی نہیں ہے کہ بیسیوں تلقینات اور نصیحتیں ایک ہی سانس میں کر ڈالی گئی ہوں۔

(۱۰) تعلیم و تدریس کے لیے طلبِ علم کی ذہنی فضا موجود ہونا ضروری ہے، چنانچہ حضورؐ کی معلمانہ حکمت یہ تھی کہ مجالسِ صحابہ میں جب تشریف لاتے تو جن موضوعات پر گفتگو ہو رہی ہوتی، ان کا تسلسل جاری رہنے دیتے، اور خود بھی ان میں حصہ لیتے۔ تعلیمی گفتگو کے لیے آپ یا تو طلبِ علم کی فضا کے متلاشی رہتے جو کسی سوال یا بحث یا اجتماعی قضیے سے از خود پیدا ہو جاتی، یا پھر خوبصورت طریقے سے ایسی فضا پیدا فرماتے۔

اسی بنا پر حضرت ابن عباس نے یہ کہا کہ جب کسی مجلس کے لوگ اپنی باتوں میں مشغول ہوں تو ان کی باتوں کو منقطع کر کے تعلیم و تبلیغ شروع نہ کرو، بلکہ خاموش رہو، تا آنکہ لوگ خود ہی حصولِ علم کی خواہش کریں، یعنی کوئی سوال اٹھائیں۔[۵۱]

(۱۱) معلمی کا فریضہ اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ معلم اپنے مخاطب گروہ کی توجہات کو مرتکز نہ کرے۔ چنانچہ حضورؐ نے توجہات کو اپنی بات کی طرف مرتکز کرنے کے لیے مختلف مؤثر صورتیں

۴۸۔ حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عبداللہ بن مسعود (مسلم و بخاری)

۴۹۔ حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عکرمہ۔ (بخاری)

۵۰۔ حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عبداللہ بن عمرو)۔

۵۱۔ مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عکرمہ۔

اختیار فرمائیں۔ مثلاً:۔

—— کبھی چونکا دینے والی کسی بات سے آغازِ کلام کیا گیا جیسے یہ قرآنی پیرایۂ آغازِ سورہ کہ "آن پہنچا اس کا فیصلہ"[۵۲]

—— کبھی سوال سے گفتگو شروع فرماتے مثلاً کیا تم فلاں بات جاننا چاہتے ہو یا کیا میں تم کو بھلائی کے راستے نہ بتاؤں، یا مثلاً هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا[۵۳] یا مثلاً خطبۂ حجۃ الوداع کے آغاز میں مجمع سے دریافت کیا یہ کونسا شہر ہے؟ یہ کونسا مہینہ ہے؟ یہ کونسا دن ہے[۵۴]؟

—— کبھی کوئی حیرت زا منظر ذہنوں کے سامنے آراستہ فرما دیتے مثلاً "جب آسمان پھٹ جائیگا" جب تارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب دریا اپنی رودگاہوں سے باہر نکل کر آپس میں مل جائیں گے اور جب قبریں کھول دی جائیں گی[۵۵]

اس سلسلے میں زیادہ مثالیں پیش کرنا غیر ضروری ہے۔

(۱۲) اصولِ تکرار سے بھی حضورؐ نے بارہا کام لیا۔ کسی اہم بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے تین تین بار اسے دہراتے۔ اسی طرح کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ اجازت طلب فرماتے[۵۶]

(۱۳) حضورؐ نے کارِ تعلیم کے لیے مختلف دائرے اور مختلف سطحیں مقرر فرمائیں۔

—— ایک دائرہ عمومی تعلیم کا تھا۔

—— دوسرا دائرہ خصوصی مجالس کا تھا جن کا مقصد معیاری علماء اور زعمائے دین کو تیار کرنا تھا۔

—— تیسرا دائرہ خواتین کی تعلیم کا تھا جس کے لیے آپ نے ہفتے میں ایک دن مخصوص کر دیا تھا اور جس کے لیے حضرت عائشہؓ کو مامور فرما کر لوگوں کو تلقین فرمائی کہ دین کا آدھا علم، یعنی نظامِ معاشرت اور خواتین کے متعلق معلومات، ان سے حاصل کرو۔

—— چوتھا دائرہ خاص خاص موقعوں پر خاص خاص افراد کو انفرادی توجہ سے تعلیم و تربیت دینے کا تھا۔

—— پانچواں دائرہ باہر سے حصولِ تعلیم کے لیے آنے والے وفود کو تیار کر کے قبائل میں فروغِ تعلیم کے لیے واپس بھیجنے کا تھا۔

(باقی)

---

[۵۲] ملاحظہ ہو آیت: ۱۶-۱ [۵۳] ملاحظہ ہو آیت: ۱۸-۱۰۳ [۵۴] حدیث بخاری و مسلم۔ باب قصہ حجۃ الوداع۔ روایت جابرؓ بن عبداللہ و عائشہؓ [۵۵] ملاحظہ ہو آیت: ۸۲-آتا ۴ [۵۶] حدیث مشکوٰۃ کتاب الاستیذان۔ روایت ابو سعید خدریؓ